شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر ۱۵۳

ذِکرِ خُدا اور حُصُولِ تقویٰ

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت و ارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو میں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

وعظ : ذکرِ خدا اور حصولِ تقویٰ

واعظ : عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ : ۲۷ صفر المظفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۹۸۳ء، بروز جمعۃ المبارک

ترتیب و تصحیح : جناب سید عمران فیصل صاحب (خلیفہ مُجازِ بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ)

تاریخ اشاعت : ۴ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۴ مارچ ۲۰۱۶ء، بروز پیر

زیرِ اہتمام : شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس: 11182 رابطہ: +92.21.34972080 اور +92.316.7771051

ای میل: khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہوسکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل

نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

❁❁❁❁

اشکوں کی بُلندی

خُداوندا مجھے توفیق دے دے
فِدا کردوں میں تُجھ پر اپنی جاں کو

گُنہگاروں کے اشکوں کی بُلندی
کہاں حاصل ہے اختؔر کہکشاں کو

اختؔر

ذکرِ خدا اور حصولِ تقویٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ[۱]

نصیحت کا اثر ہونا ایمان کی علامت ہے

یہ مجلسِ مذاکرہ پیر کو مغرب سے عشاء تک اور جمعہ کو پونے دس سے لے کر گیارہ بجے تک ہوتی ہے، یہ سلسلہ نفع لازم اور نفع متعدی دونوں کے لیے مفید ہے یعنی میرا اپنا بھی نفع ہے اور آپ حضرات کا بھی نفع ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ آپ نصیحت فرمائیے، نصیحت ایمان والوں کو نفع دیتی ہے۔ اگرچہ قرآن پاک کے علوم کے ذریعے سے نصیحت مقصود ہے لیکن قرآن پاک کے علوم کو سمجھنے کے لیے حدیث پاک کی ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ قرآن کی تفسیر ہے حدیث اور حدیث کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرام، مشائخ، بزرگانِ دین، متقدمین اور متاخرین اکابر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو نصیحت مفید نہ ہو اور وہ یہ کہتا ہے کہ مجھے ملّاؤں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مولویوں کی نصیحت کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا تو وہ شخص اپنے ایمان کی خیر منائے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرمارہے ہیں کہ نصیحت ایمان والوں

---

[۱] الذّٰریٰت:۵۵

کو مفید ہوتی ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ہمارے لیے مفید نہیں تو اس کا کامل ایمان والا ہونے میں شبہ ہے۔ دیکھا آپ نے علماء کرام نے کیسا مسئلہ نکالا ہے، اولیاء اللہ کو ایسے علوم عطا ہوتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ کہاں سے نکالا؟ قرآن کے ان ہی الفاظ سے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور اپنے خاص بندوں کو وہ معنیٰ سمجھا دیتے ہیں جس تک ہر کسی کی نگاہ نہیں پہنچتی چاہے وہ ظاہری طور پر اہلِ علم بھی ہوں۔ اللہ اللہ کرنے یعنی ذکر اللہ کی برکت سے ہی عقل اور فہم میں سلامتی پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جس شخص کو دین کی کسی بات کی نصیحت نفع نہ کرے اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

اہلِ علم سے مراجعت کی ضرورت

بعض اوقات سنی سنائی چیزیں ایسے ہی بے سند مشہور ہو جاتی ہیں، جس طرح عملی بدعت پھیلتی ہے ایسے ہی علمی و اعتقادی بدعت بھی پھیلتی ہے کیوں کہ ہم اپنے بڑوں سے نہیں پوچھتے، بعض وقت اہلِ علم جو کسی درجے میں بڑھے ہوئے ہیں اگر ان کو بھی مفسرین کی کتب کی طرف رجوع کی توفیق نہیں ہوتی تو ان سے بھی لغزش ہو سکتی ہے۔ سنی سنائی بات اتنی زیادہ چل جاتی ہے کہ صالحین میں بھی پھیل جاتی ہے۔ چناں چہ میں آپ کو ایک قصہ سناتا ہوں جو میرے اپنے اوپر گزرا ہے۔ لوگ پوچھتے تھے کہ بزرگوں کے ساتھ توسل کرنا جس کو وسیلہ کہتے ہیں کہ اللہ فلاں بزرگ کی برکت سے میری یہ دعا قبول فرمالے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے دوسروں سے بھی سنا اور خود بھی یہ ہی کہہ دیتا تھا کہ قرآن شریف میں ہے یَآاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ[۱] اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ ہم نے سوچا کہ جب قرآن میں لفظ وسیلہ موجود ہے تو پھر کسی اور دلیل کی کیا ضرورت ہے؟ غرض زندگی میں جہاں جہاں بھی سفر ہوتا رہا اپنے گرد و پیش کے ماحول میں یہ ہی سنتا رہا، لیکن بڑوں سے پوچھنے کی توفیق نہیں ہوئی اور تفسیری کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی بھی اسی ایک مہینے کے اندر توفیق ہوئی۔ سب سے پہلے تفسیر

---

[۱] المآئدۃ:۳۵

بیان القرآن دیکھی تب معلوم ہوا کہ ہم نے جو سمجھا یا یا جن لوگوں نے ہمیں سمجھایا ہم سب ہی غلطی پر تھے۔ حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں دو جز ہیں پہلے جز میں تقویٰ کا حکم ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور دوسرے جز میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم ہے وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ اور اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ تو حضرت پہلے جز کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو یعنی اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو، اللہ سے ڈرو، معصیت سے بچو، ترک معاصی کرو، منہیات کو چھوڑو۔

قرآن پاک کے لفظ وسیلہ کا مفہوم

دوسرا جز ہے وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ اور تلاش کرو اللہ کی طرف وسیلہ یعنی اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرو۔ حکیم الامت حضرت تھانوی نے یہ بات روح المعانی کے حوالے سے لکھی ہے، لہٰذا میں نے روح المعانی بھی دیکھی۔ حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ جس کتاب سے رجوع فرماتے ہیں ہمیں اس کتاب سے عقیدت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا حضرت نے بیان القرآن کے حاشیہ میں روح المعانی کا حوالہ دیا ہے کہ وَسَلَ یَسِلُ کا مصدر وَسِیْلَۃ ہے اور وَسِیْلَۃ کے معنیٰ تَقَرُّبْ کے ہیں یعنی تقرب حاصل کرو مِنْ اَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ اعمالِ صالحہ اختیار کرکے۔

روح المعانی کے بعد میں نے تفسیر خازن اور دیگر تفاسیر بھی دیکھیں، تمام مفسرین نے یہ ہی تفسیر کی ہے۔ اس کے بعد حضرت تھانوی بیان القرآن کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ اس آیت سے بزرگوں کا وسیلہ پکڑنے کا استدلال کرتے ہیں تو اس آیت کو وسیلے سے کوئی مس بھی نہیں، وسیلہ ثابت کرنے کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ میں نے سوچا کہ حضرت نے یہ جملہ کہاں سے لیا ہے تو دیکھا کہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی کے اندر لکھا ہے وَاسْتَدَلَّ بَعْضُ النَّاسِ بِھٰذِہِ الْاٰیَۃِ عَلٰی مَشْرُوْعِیَّۃِ الْاِسْتِغَاثَۃِ بِالصَّالِحِیْنَ وَ جَعَلَھُمْ وَ سِیْلَۃً بَیْنَ اللہِ تَعَالٰی یعنی بعض لوگوں نے اس آیت کے ذریعے سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ صالحین کا وسیلہ پکڑنا شریعت میں جائز ہے، جن

لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے وَ کُلٌّ ذٰلِكَ بَعِيۡدٌ عَنِ الۡحَقِّ بِمَرَاحِلَ [۳] وہ حق سے بہت دور پہنچ گئے، حق بات سے ایک دو منزل دور نہیں پہنچے بلکہ بَعِيۡدٌ عَنِ الۡحَقِّ بِمَرَاحِلَ کئی منزلیں دور پہنچ گئے ہیں۔

قرآن پاک کی بنیادی تفسیر احادیثِ مبارکہ ہیں

اسی لیے عرض کرتا ہوں کہ بعض وقت آدمی محض سنائی سنائی بات پر عمل کرتا ہے جس سے دین میں بدعت پھیلتی ہے اور صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے آدمی ڈالڈا گھی کو اصلی گھی سمجھتا ہے کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا سے یہ ہی سنا ہے۔ دین کے معاملے میں باپ دادا کا نام کیوں لیتے ہو؟ علماء یا فقہاء ہوں تو ٹھیک ہے۔ جب ہم سنی سنائی بات پر عمل کرتے ہیں تو علم کے اندر بدعت پھیلتی ہے۔ چناں چہ اسی کا قصہ بیان کر رہا تھا کہ بچپن سے جب سے ہوش سنبھالا ہے جہاں بھی کسی نے کہا کہ صاحب بزرگوں کے ساتھ وسیلہ اور توسل کی کیا دلیل ہے؟ بس یہ ہی سنا دیا کہ وَ ابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ کیوں کہ قرآن میں تو لفظ وسیلہ صاف اور صریح انداز میں موجود ہے اور ہمیں اپنی منشاو مراد اس کے اندر نظر آرہی ہے لہٰذا کھٹ سے وسیلے کا استدلال قرآن سے پیش کر دیا۔ لیکن پھر مجھے خیال ہوا کہ مفسرین کی طرف بھی رجوع کرنا چاہیے کیوں کہ کبھی لفظ کچھ ہوتا ہے اور معنیٰ کچھ ہوتے ہیں، قرآن کی تفسیر محض لغت سے کرنی جائز نہیں ہے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ، تابعین اور مفسرین سے رجوع نہ کیا جائے کیوں کہ بعض وقت مطلب کچھ اور ہی ہو جاتا ہے جیسے بارہا عرض کر چکا ہوں کہ قرآن پاک میں ہے يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا [۴] یہاں يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ کا ترجمہ کیا ہے؟ آپ لغت سے دیکھیے تو معلوم ہو گا کہ اَصۡلَحَ يُصۡلِحُ اِصۡلَاحٌ یعنی اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا۔ لیکن جب صحابہ اور مفسرین کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تب معلوم ہوتا ہے کہ يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ

۳؎ روح المعانی:۶/۱۲۴-۱۲۵، المآئدۃ (۳۵)، دار احیاء التراث، بیروت

۴؎ الاحزاب:۷۱

اَعْمَالَکُمْ کا ترجمہ ہے یَتَقَبَّلْ حَسَنَاتِکُمْ[۵] اللہ تمہارے نیک اعمال کو قبول کرے گا۔ چناں چہ بیان القرآن، تفسیر خازن، تفسیر ابن کثیر، تفسیر کبیر اور روح المعانی وغیرہ جتنی تفاسیر میں نے دیکھی ہیں سب نے یہ ہی تفسیر لکھی ہے اور یہ تفسیر بھی صحابہ کے واسطے سے روایت کی ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے قرآن کے مطلب و معنیٰ کو سمجھا ہے۔ جو شخص محض لغت کی مدد سے قرآن پاک کو سمجھنے کی کوشش کرے گا گمراہ ہوجائے گا۔ اسی لیے خیال ہوا کہ وسیلے کا ترجمہ لغت سے نہیں سمجھنا چاہیے، اس کے لیے اکابر علماء کی تفاسیر دیکھو۔

جاہلوں میں شامل ہونے سے پناہ مانگنا

دیکھیے بہت ہی خوشی ہوئی کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی علمی غلطی سے نجات بخشی۔ بہرحال جہالت سے اللہ بچائے۔ جاہلین میں ہونے سے پناہ مانگیے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ[۶] ایک دفعہ میرے مرشد اوّل مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جہالت سے پناہ کیوں نہیں مانگی، جاہلین میں ہونے سے پناہ کیوں مانگی؟ اس دعا کو یوں بھی تو مانگ سکتے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجَاهِلِ وَ الْجَهَالَةِ اے اللہ میں جاہل اور جہالت سے پناہ چاہتا ہوں۔ تو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جانتے ہو کہ جاہلین میں ہونے سے پناہ کیوں مانگی گئی؟ جہالت سے پناہ کیوں نہیں مانگی گئی؟ اس میں کیا نکتہ ہے؟ فرمایا کہ اس میں بہت بلاغت ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص سنکھیا زہر سے پناہ مانگ رہا ہے اور ایک شخص نے سنکھیا کھائے ہوئے کسی آدمی کو دیکھا جو بے چینی اور اضطراب سے تڑپ رہا ہے، ہائے ہائے کررہا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ یا اللہ میں سنکھیا خوردہ لوگوں میں ہونے سے پناہ چاہتا ہوں۔ ایک شخص آگ سے پناہ چاہتا ہے اور ایک آدمی کسی کو آگ سے جلتے اور تڑپتے ہوئے دیکھ رہا ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ یہ لوگ جو آگ سے جل رہے ہیں مجھے ان میں ہونے سے بچا۔ تو اس میں زیادہ بلاغت ہے۔

---

[۵] مرقاۃ المفاتیح: ۳۱۰/۱۰، باب اعلان النکاح، المکتبۃ الامدادیۃ

[۶] البقرۃ: ۶۷

بزرگوں سے توسل پر دلیل

اب آپ لوگوں کو خیال ہوگا کہ توسل پر تو ہمارے سارے اکابر کا اجماع ہے۔ تو میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ توسل ناجائز ہے۔ لیکن اس آیت سے توسل پر استدلال مت کرو۔ اب میں اس کی مزید وضاحت کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ میرے مرشد ثانی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم اپنے بھائی کے یہاں مہمان تھے، تھوڑی دیر میں دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ محدث عظیم، مؤسس مدرسہ عربیہ بِنّوری ٹاؤن تشریف لائے، جب بیٹھ گئے تو اچانک ایک شخص آیا، اس نے سوال کیا کہ بزرگوں کے ساتھ وسیلہ کرنے کا کیا ثبوت ہے؟ تو میں بھی سنبھل کر بیٹھ گیا اور غور سے سننے لگا کیوں کہ ماشاء اللہ مولانا کے علم کا تو کیا کہنا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے توسل اور اجماعِ صحابہ

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ بزرگوں کے ذریعے سے ہم جو وسیلہ مانگتے ہیں کہ یا اللہ میرے مرشد یا میرے فلاں بزرگ کی برکت سے ہمارا کام ہوجائے، تو اس پر اتنے دلائل موجود ہیں کہ مت پوچھو، خود روح المعانی میں بہت سے دلائل لکھے ہیں۔ صحابہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا مانگی۔ یہ واقعہ بخاری شریف سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بناتے ہوئے دعا مانگی کہ یا اللہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تھے تو ہم ان کے ذریعے سے دعا مانگتے تھے اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے وسیلے سے مانگتے ہیں۔ چناں چہ بارش ہوگئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث میں وارد ہے:

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ کَانَ اِذَا قَحَطُوْا اِسْتَسْقٰی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقَوْنَ[ے]

ے صحیح البخاری: ۱/۱۳۷ (۱۰۱۱)، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا، المکتبۃ المظہریۃ

جب کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں قحط سالی ہوتی تو آپ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگتے اور کہتے اے اللہ! پہلے ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگتے تھے کہ ہم پر بارش نازل فرما اور اب نبی کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں کہ ہم پر بارش نازل فرما دیجیے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر بارش ہو جاتی۔

علامہ حافظ بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قحط سالی کے زمانے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو واسطہ و وسیلہ بنا کر بارش کی دعا فرماتے تھے۔ اس کے بعد ابن حجر عسقلانی یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

فَخَطَبَ النَّاسَ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَرٰی لِلْعَبَّاسِ مَا یَرٰی الْوَلَدُ لِلْوَالِدِ فَاقْتَدُوْا اَیُّھَا النَّاسُ بِرَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَمِّہِ الْعَبَّاسِ وَاتَّخِذُوْہُ وَسِیْلَۃً اِلَی اللہِ[۸]

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وہی درجہ تھا جو ایک بچہ کے سامنے اپنے والد کا ہوتا ہے، لہٰذا (آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے عمّ بزرگوار) حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے معاملے میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ہی کے نقشِ قدم پر چلو (اور اپنے مقاصدِ حسنہ کی تکمیل کے لیے) اللہ تعالیٰ کے حضور انہیں وسیلہ بناؤ۔

حدیثِ پاک میں نیک اعمال کے وسیلے کا ثبوت

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عباس تو زندہ تھے اور ہم ان اولیاء اللہ کا وسیلہ مانگتے ہیں جو دنیا میں نہیں ہیں۔ تو مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دیکھو بھائی وسیلہ کا ثبوت بخاری شریف سے پیش کرتا ہوں جو حدیث کی سب سے بڑی کتاب ہے، اس کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ ایک چٹان غار کے منہ پر گر گئی اور تین آدمی اس کے اندر

۸ فتح الباری: ۲/۴۹۷ (۹۶۴)، باب سؤال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا، دار المعرفۃ، بیروت

بند ہو گئے۔ تو تینوں نے اپنے اپنے عمل کا وسیلہ مانگا۔

ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ ایک مزدور سے چند سیر چاولوں پر مزدوری کرائی تھی مگر کام کے بعد وہ مزدور چلا گیا اور اس کی اجرت میرے ذمہ باقی رہ گئی۔ فصل پر جب میں نے چاول کی کاشت کی تو اس کا حصہ بھی شامل کر لیا اور پیداوار پر اس کے حصہ کے چاولوں سے گائے بیل خریدے۔ ایک مدت کے بعد وہ مزدور آیا اور اس نے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا، میں نے کہا کہ جاؤ وہ سب گائے بیل لے جاؤ۔ اس نے کہا میرے تو صرف تین صاع چاول تھے۔ میں نے کہا کہ یہ سب گائے بیل تیرے چاولوں سے خریدے گئے ہیں، وہ بہت خوش ہوا اور سب جانور لے گیا۔ اے خدا! اگر تیرے نزدیک میرا یہ عمل قبول ہے تو اس کی برکت سے ہماری اس مصیبت کو دور کر دے۔ چناں چہ چٹان غار کے منہ سے کچھ ہٹ گئی۔

اب دوسرے نے کہا کہ میرے والدین بہت ضعیف اور ناتواں تھے، میں اپنی بکریوں کا دودھ دوہ کر شام کو سب سے پہلے ان کو پلاتا اور بعد میں اپنے اہل وعیال کو۔ ایک مرتبہ جنگل میں دیر ہو گئی، جب دودھ لے کر گھر آیا تو والدین انتظار کر کے سو چکے تھے، اہل وعیال بھوک سے مضطرب اور بے تاب تھے اور دودھ کے خواہش مند تھے، مگر میں نے کہا کہ جب تک والدین اُٹھ کر نہ پئیں گے کسی کو دودھ نہیں ملے گا اور والدین کی نیند خراب نہ ہو اس لیے انہیں بیدار کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ چناں چہ تمام شب اسی طرح ان کے سرہانے دودھ لیے بیٹھا رہا کہ شاید درمیان میں بیدار ہوں اور بھوک ستائے مگر وہ صبح کو ہی بیدار ہوئے تب میں نے پہلے ان کو دودھ پلایا اور جب وہ سیراب ہو گئے تو بعد میں اہل وعیال کو دیا۔ اے خدا! اگر میرا یہ عمل قبول ہے تو ہماری اس مصیبت کو ٹال دے۔ چٹان تھوڑی سی اور ہٹ گئی۔

تیسرے شخص نے کہا کہ میں اپنی چچازاد بہن پر عاشق تھا اور اس کے وصل کے لیے بے تاب تھا مگر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوتی تھی، بمشکل تمام میں نے اس کو سو درہم دے کر ورغلایا اور عملِ بد پر آمادہ کر لیا۔ جب میں اس کے قریب ہوا تو اس نے مجھ سے کہا کہ خدا سے ڈر اور میری عزت برباد نہ کر۔ یہ سننا تھا کہ مجھ پر تیرا خوف غالب آیا اور میں اس سے الگ ہو گیا اور سو درہم بھی اسی کو بخش دیے۔ اے اللہ! اگر میرا یہ عمل قبول ہے تو ہماری اس آفت کو دور

کر اور ہم کو اس سے نجات دے۔ چٹان حرکت میں آئی اور غار کے دہانے پر سے لڑھک کر نیچے جاگری اور وہ تینوں اس مصیبت سے نجات پا کر اپنی منزل کو روانہ ہو گئے۔[۹]

اولیاء اللہ سے محبت قلب کا نیک عمل ہے

تو مولانا نے فرمایا کہ جب ہم اولیاء اللہ کے واسطے سے دعا مانگتے ہیں تو یہ قلب کا عمل ہے یعنی یا اللہ میرے دل میں ان کی جو محبت ہے، میں ان سے آپ کے لیے جو محبت کرتا ہوں تو قلب کے اس عمل کو قبول فرما یعنی نیک بندوں سے میری محبت کے عمل کو قبول فرما کر اس کی برکت سے میرا کام اور میری حاجت پوری فرما دیجیے۔ بخاری شریف کی حدیث میں تو ان حضرات نے قالب کے اعمال کا واسطہ دیا تھا جبکہ بزرگوں کا واسطہ قلب کے عمل سے دیا جاتا ہے یعنی دل میں ان سے محبت ہے جو عبادت ہے اور ایک نیک عمل ہے لہٰذا اس نیک عمل کے واسطے سے بزرگوں کا وسیلہ دیا جاتا ہے۔ اور قلب کا عمل قالب کے عمل سے افضل ہے کیوں کہ قلب بادشاہ ہے، جسم قلب کی رعیت ہے، جوارح اور اعضاء دل کے غلام ہیں اور رعایا کے عمل سے بادشاہ کا عمل افضل ہوتا ہے۔ تو جب قلب یعنی بادشاہ کا عمل اللہ کے حضور میں پیش کیا جائے گا تو وہ رعایا یعنی جسم و اعضاء کے عمل سے افضل ہوگا۔

اس بات کو ایک مثال سے اور سمجھیے کہ ایک آدمی جسم سے تو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا ہے مگر دل سے پاس نہیں رہتا۔ بظاہر تو کہتا ہے کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے مگر ادھر ادھر آپ کی غیبتیں بھی کرتا ہے، تو معلوم ہوا کہ اس کے قلب میں وہ بات نہیں ہے جسے وہ ظاہراً کہتا ہے، اس نے قرب کے لحاظ سے جسم تو دیا مگر دل نہیں دیا، اگر دل دے دیا پھر چاہے جسم دور ہو تو بھی کام بن جائے گا۔

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے مشورہ لیا کہ کیا میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ شریف آپ کے پاس مستقل آجاؤں؟ تو فرمایا کہ بھائی یہاں آجاؤ گے تو بال بچے یاد آئیں گے، پھر تمہارا جسم تو کعبہ شریف میں ہوگا مگر دل ہندوستان میں ہوگا، اس سے

[۹] صحیح البخاری: ۱/۴۹۳، (۳۴۶۹) باب حدیث الغار، المکتبۃ المظہریۃ

بہتر ہے کہ تمہارا دل کعبہ میں ہو چاہے جسم ہندوستان میں رہے، لہٰذا حج کر کے چلے جاؤ، مستقل رہنا بڑے عاشق کا کام ہے، جو ایسا مستقل ہو کہ کعبہ شریف سے مست ہو اور اسے کچھ یاد نہ آئے یا بال بچوں کا انتظام بھی وہیں ہو جائے۔

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ بہت دنوں تک مجھ سے بھی جو کوئی وسیلے کا ثبوت پوچھتا تھا تو میں یہ ہی پیش کر دیتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل کا شکر گزار ہوں کہ جب تفسیر دیکھی تب اس کے اصل معنیٰ واضح ہوئے۔ کسی ایک نے بھی وسیلے کے ظاہری مطلب کو نہیں لیا، سب نے سخت مخالفت کی، جملہ مفسرین نے مخالفت کی۔ تو میں نے کہا کہ الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے کہ صحیح بات کا علم ہو گیا۔

لفظ دُرویش کی علمی شرح

ایک دن میرے ایک جاننے والے نے حضرت خواجہ فرید الدین عطار نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پندنامے کا ایک شعر سنایا۔

حب دُرویشاں کلید جنت است
دشمن ایشاں سزائے لعنت است

تو میں نے کہا کہ یہ شعر بڑا زور دار ہے، زندگی میں پہلی دفعہ سنا ہے اور ہے بھی واقعی صحیح کہ دُرویشوں کی محبت، فقیروں کی محبت، اللہ والوں کی محبت جنت کی کنجی ہے اور اللہ والوں سے دشمنی کرنا لعنت کی سزا ہے۔ آپ لعنت کے معنیٰ جانتے ہیں؟ آج کل لعنت کے معنیٰ بھی کوئی نہیں جانتا، لعنت کے معنیٰ ہیں اللہ کی رحمت سے دوری۔ اب دُرویش کے معنیٰ بھی سمجھ لیں، دُرویش کی دال پر پیش ہے، دُر کہتے ہیں موتی کو اور وَش کا مطلب ہے مانند، جیسے کہتے ہیں ماہ وَش یعنی چاند کے مانند، چاند جیسا۔ تو اصل میں یہ دُروَش تھا یعنی موتی جیسا، بعد میں اضافتِ مقلوبی سے دُرویش ہو گیا۔ تو دُرویش لوگ موتی جیسے چہرے والے کیوں ہیں؟ کیوں کہ ان کے دل اللہ والوں کی صحبت سے موتی بن گئے ہیں۔ اس کو مثنوی کے ایک شعر سے ثابت کرتا ہوں، مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گر تو سنگ خارا و مرمر بُوِی
چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شَوِی

اے شخص تو اگر سنگ خارا ہے، سنگ مرمر ہے، پتھر جیسے دل والا ہے، اللہ کے نام پر فدا ہونا، اللہ کی محبت میں دل کا پانی ہونا اور اللہ کی عبادت میں دل لگانا نہیں جانتا ہے، تیرا دل سخت ہو گیا ہے تو تجھے چاہیے کہ اللہ والوں کے پاس جایا کر تاکہ تیرا پتھر دل موتی بن جائے۔ اس پر ایک روایت بھی یاد آگئی۔

دل کی سختی کا علاج

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک خاتون حاضر ہوئیں۔ اب لفظ خاتون کی لغت بھی سنیے! غیاث اللغات میں ہے کہ خاتون اس عورت کو کہتے ہیں جو بڑی عمر کی ہو۔ یہ بات اس لیے کہہ دی کہ کوئی چھوٹی عمر کی لڑکی کو خاتون نہ کہہ دے، کبھی آدمی نادانی سے لغت کو غلط استعمال کرلیتا ہے۔ تو ایک خاتون حضرت عائشہ کے پاس آئیں، انہوں نے کہا کہ آج کل میرا دل سخت ہو گیا ہے، مجھے عبادت اور تلاوت میں مزہ نہیں آرہا ہے، سستی معلوم ہوتی ہے، اس کا علاج بتائیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تین روز تک موت کا مراقبہ کرو، موت کو یاد کرو۔ لیکن موت کو یاد کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ تسبیح لے کر موت موت موت کا وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ موت کو یاد کرنے کا طریقہ بزرگوں نے بتایا ہے کہ تصور کرو کہ میں مر گیا ہوں، نہلایا جارہا ہوں، کفنایا جارہا ہوں اور پھر قبر میں اُتارا جارہا ہوں، ایسا گہرا تصور کیجیے کہ معلوم ہو میرا جنازہ قبر میں اتر رہا ہے۔ قوتِ متصورہ سے تصور جاناں تو کرتے ہیں مگر کبھی یہ تصور بھی تو کرو، کیوں کہ تصور کا صحیح استعمال وہ ہی ہے جس سے آخرت بن جائے۔ اس تصور سے جنت کا مراقبہ کیجیے، دوزخ کا مراقبہ کیجیے، موت کا مراقبہ کیجیے کہ تختہ ڈال دیا گیا ہے، ہمارا جنازہ اب نیچے قبر کی زمین پر رکھا ہوا ہے اور پورا سینہ قبلہ رو ہے۔

بعض لوگ نادانی سے مردے کو قبر میں لٹا کر صرف منہ کو کعبہ کی طرف کر دیتے ہیں جو سنت کے خلاف ہے، اپنے مردوں کو قبر کی دیوار سے سہارا دے کر ان کا پورا سینہ کعبہ شریف کی طرف کر دو۔ تو یہ مراقبہ اس طرح کرنا چاہیے کہ اب قبر پر تختے لگ گئے اور ساری دنیا ہم سے

کٹ گئی۔ اب کس سے دل بہلاؤ گے۔ ٹیلی وِژن، وی سی آر، دوست احباب، بچے، گپ شپ سب ختم۔ دوستو یہ دنیا بڑی عبرت کی چیز ہے، یہ حیات ایسے ہی ضایع کرنے کے لیے نہیں دی گئی ہے، لہٰذا روزانہ اس کا مراقبہ کیجیے، دیکھیے کیسے اثر نہیں ہوتا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں جو شخص اپنی اصلاح سے مایوس ہوچکا ہو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ دس منٹ سوتے وقت روزانہ اس طرح سے مراقبہ کرے کہ میں مر گیا ہوں اور مجھے کفنایا جارہا ہے، نہلایا جارہا ہے، کفن ڈال کر جنازہ قبرستان گیا وہاں قبر میں اتارا گیا، قبر پر تختے لگ گئے اور لوگ مٹی ڈال کر چلے گئے۔ اب میں تنہائی میں ہوں اللہ کے یہاں میرا محاسبہ ہورہا ہے کہ تم نے زندگی کو کہاں استعمال کیا۔ تو دیکھو کیسے جلدی سے اصلاح ہوتی ہے۔ دل پر چوٹ لگے گی، چند دن کے بعد حالت بدل جائے گی۔ جو گناہ نہیں چھوٹتے وہ تلخ ہوجائیں گے، اگر گناہ نہیں چھوٹیں گے تو ان کا ذائقہ ضرور تلخ ہوجائے گا اور جب ذائقہ تلخ ہوجائے تو پھر چھوٹنا آسان ہوجائے گا۔ جیسے دو سال کے بعد جب بچہ ماں کا دودھ نہیں چھوڑتا تو وہ نیم کی پتی پیس کر چھاتیوں پر لگاتی ہے تاکہ وہ اپنی پرانی عادت کے طور پر منہ نہ لگائے اور اگر منہ لگاتا ہے اور نیم کی پتی منہ میں جاتی ہے تو کہتا ہے کہ امّاں کا دودھ تو بڑا کڑوا ہے۔

تو اس خاتون نے تین دن جاکر موت کو یاد کیا، اس کے بعد آکر کہا کہ میرا دل بالکل نرم ہوگیا۔ سبحان اللہ! عجیب وغریب نسخہ ہے۔ اتنا زبردست نسخہ ہے کہ ملا علی قاری مرقاۃ کی جلد اوّل میں لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت ہوتے ہوئے، امیر المؤمنین ہوتے ہوئے اپنی انگوٹھی پر یہ حدیث لکھوا رکھی تھی **کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا**[۱۰] موت کا تصور اور استحضار اور موت کو یاد رکھنا انسان کی نصیحت و ہدایت کے لیے کافی ہے۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ**[۱۱] کی شرح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کرتے ہیں **نَقْشُ خَاتَمِہٖ کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا**[۱۲] حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مملکت کے احکامات کی دستاویز پر جس انگوٹھی سے مہر لگاتے تھے اس پر بھی یہی لکھا تھا کہ نصیحت کے لیے موت ہی کافی ہے۔

---

[۱۰] شعب الایمان: ۱۳/۱۳۶، (۱۰۰۷۲) مکتبۃ الرُّشد

[۱۱] صحیح البخاری: ۱/۲ (۱)، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ، المکتبۃ المظھریۃ

[۱۲] مرقاۃ المفاتیح: ۱/۴۰ (۱)، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ، دار الفکر، بیروت

اولیاء اللہ سے محبت کا انعام

تو میں خواجہ فرید الدین عطار کا شعر عرض کر رہا تھا کہ ؎

حُبِّ دُرویشاں کلید جنت است
دشمن ایشاں سزائے لعنت است

اہل اللہ کی محبت جنت کی کنجی ہے۔ اب میں اس کو ثابت کرتا ہوں۔ مشکوٰۃ شریف کی کتاب الایمان میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس میں تین خصلتوں میں سے ایک خصلت ہوگی، میں اس وقت دو خصلتیں بیان نہیں کر رہا ہوں، تین میں سے صرف ایک خصلت بیان کر رہا ہوں جو اس وقت میرے موضوع سے متعلق ہے کہ جو شخص کسی سے اللہ کے لیے محبت رکھتا ہے مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ اس کے بارے میں بخاری شریف کی حدیث ہے کہ وَجَدَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ [۱۳] اللہ تعالیٰ اس کو ایمان کی حلاوت عطا فرمائیں گے۔ معلوم ہوا کہ محض اللہ کے لیے جو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ان کو حلاوتِ ایمانی عطا ہوتی ہے۔ اور دنیا میں اللہ والوں سے اللہ کے لیے جتنی محبت کی جاتی ہے وہ شاید کسی اور سے نہ ہو۔ ہر انسان اپنے شیخ اور مرشد سے اتنی محبت کرتا ہے کہ روئے زمین پر اتنی محبت کسی اور سے کرنا بھی چاہے تو اس پر قادر نہیں ہوتا۔

اللہ والوں سے محبت کا مضمون جو حدیث میں بیان ہوا ہے اس کے فردِ کامل کا ظہور اہل اللہ، مرشدین اور مشایخ کی صحبت میں ہوتا ہے۔ اس کی شرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ حلاوتِ ایمانی کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک تو ایمان کی مٹھاس معنوی طور پر دل میں محسوس ہوتی ہے اور اس کی پانچ علامات ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور کبھی حسی طور پر بھی زبان پر مٹھاس محسوس ہو جاتی ہے۔ اس کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نام او چو بر زبانم می رود
ہر بُنِ مُو از عسل جوئے شود

---

[۱۳] صحیح البخاری: ۱/۷ (۲۱)، باب من کرہ ان یعود فی الکفر الخ، المکتبۃ المظہریۃ

جب میں اللہ کا نام لیتا ہوں تو میرے بال بال سے شہد کے دریا جاری ہو جاتے ہیں۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ اپنے عاشقوں کو اپنے نام کی ایسی مٹھاس عطا کر دیتے ہیں جو محسوس بھی ہو جاتی ہے، مولانا رومی اسی درجے کے بزرگ تھے۔ اس کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں **وَ قَدْ وَرَدَ اَنَّ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ اِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لَا تَخْرُجُ مِنْہُ اَبَدًا فَفِیْہِ اِشَارَۃٌ اِلٰی بَشَارَۃِ حُسْنِ الْخَاتِمَۃِ لَہٗ**[۱۴] جس کے دل میں اللہ ایک دفعہ حلاوتِ ایمان داخل کر دیتے ہیں، یہ حلاوتِ ایمانی اور ایمانی مٹھاس جس کے دل میں ایک دفعہ داخل ہو جائے گی پھر کبھی نہیں نکلے گی، اس میں اشارہ ہے کہ اس کا خاتمہ بھی اچھا ہو گا۔ جب خاتمہ اچھا ہو گا تو جنت کی کنجی بھی ہاتھ میں آجائے گی اور وہ جنت میں جائے گا، ان شاء اللہ۔ اسی لیے اہل اللہ کی محبت پر بابا فرید الدین عطار کا شعر ہے ؎

حُبِّ درویشاں کلید جنت است
دشمنِ ایشاں سزائے لعنت است

اہل اللہ کی محبت جنت کی کنجی ہے اور ان سے دشمنی سزائے لعنت ہے، بد قسمتی اور سوئے قضاء ہے۔ اس پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

ہیچ قومے را خدا رُسوا نہ کرد
تا دل صاحبدلے نامد بہ درد

اللہ کسی کو اس وقت تک رُسوا نہیں کرتا جب تک کہ وہ کسی اہل دل کے دل کو نہیں دُکھاتا، جب تک کسی اہل دل کو دردناک نہیں کرتا، دُکھ نہیں پہنچاتا۔ خیر میں عرض کر رہا تھا کہ اللہ والوں کے پاس ایک نعمت اور ملتی ہے، ان کی محبت جنت کی کنجی تو ہے ہی لیکن ان کی صحبت کی برکت سے ذکر اللہ کی توفیق بھی ہو جاتی ہے، ذکر کی حلاوت بھی نصیب ہوتی ہے، دنیا ہی میں جنت کے مزے شروع ہو جاتے ہیں اور دنیا کی زندگی بھی مزے دار اور چین والی ہو جاتی ہے۔ یہ خاص بات ہے جو اہل اللہ کی جوتیاں اٹھانے سے ملتی ہے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ پہلے میرا دل ادھر ادھر پھرتا رہتا تھا۔ خواجہ صاحب بی اے پاس تھے، حسین و جمیل تھے، عالی

---

[۱۴] مرقاۃ المفاتیح: ۱/۷۴، کتاب الایمان، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

خاندان سے تعلق رکھنے والے انسان کو عالم شباب میں ادھر ادھر کی چیزیں دل کو کچھ نہ کچھ پریشان کیے رکھتی ہیں، دل کی اسی کشمکش کو خواجہ صاحب بیان کرتے ہیں؎

ہے شوق اور ضبطِ شوق میں دِن رات کشمکش
دِل مجھ کو ،میں ہوں دِل کو پریشاں کیے ہوئے

لیکن جب حکیم الامت کی صحبت میں حاضری ہوئی اور اللہ اللہ کیا تو قلب میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا، سکون آ گیا، چین مل گیا، اطمینان پیدا ہو گیا پھر فرمایا؎

آہن کو سوزِ غم سے کیا نرم آپ نے
نا آشنائے درد کو بسمل بنا دیا

آخری شعر عجیب ہے، فرماتے ہیں کہ؎

مجذوب در سے جاتا ہے دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنادیا

اور فرمایا کہ؎

میں رہتا ہوں دن رات جنت میں گویا
میرے باغ دل میں وہ گل کاریاں ہیں

اللہ اللہ کرنے کی برکت سے اور اللہ کا نام لینے کی برکت سے فرماتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں جنت میں رہتا ہوں، سبحان اللہ! اللہ والوں کی جنت دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔

ذکر اللہ کے ثمرات

ایک حدیث ہے:

إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا[۱۵]

جب جنت کے باغوں سے گزرا کرو تو کچھ نہ کچھ کھالیا کرو۔

۱۵؎ جامع الترمذی: ۱۹۱/۲، باب ما جاء فی جامع الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ایچ ایم سعید

یہ جنت کے باغات کیا ہیں؟ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **إِذَا مَرَرْتُمْ بِجَمَاعَةٍ يَّذْكُرُوْنَ اللهَ تَعَالٰى فَاذْكُرُوْهُ أَنْتُمْ مُوَافَقَةً لَهُمْ فَإِنَّهُمْ فِيْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ**[۱۶] جب تم اللہ اللہ کرنے والوں کے پاس سے گزرا کرو تو ان کی موافقت میں تم بھی ذکر میں لگ جاؤ۔ اللہ اللہ کرنے والوں کی یہ مجلسیں ہی جنت کے باغ ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک کی آیت ہے **وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ**[۱۷] اس کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں **قَالَ بَعْضُ الصُّوْفِيَّةِ: جَنَّةٌ مُعَجَّلَةٌ فِي الدُّنْيَا بِالْحُضُوْرِ مَعَ الْمَوْلٰى وَجَنَّةٌ مُؤَجَّلَةٌ فِي الْاٰخِرَةِ بِلِقَاءِ الْمَوْلٰى**[۱۸] اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو حضوری نصیب ہوتی ہے یہ خود ایک جنت ہے۔ ارے جنت تو مخلوق ہے، جب خالقِ جنّت دل میں ہو گا تو کیا مزہ ہو گا اس کی دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور اللہ کے دیدار کی جنت وہاں الگ ملے گی۔

پتھر دل کو موتی بنانے کا نسخہ

تو میں عرض کر رہا تھا کہ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگ خارا و مرمر بوی
چوں بہ صاحب دل رسی گوہر شوی

اگر تم پتھر جیسا دل رکھتے ہو جو اللہ کی محبت سے آشنا نہیں ہے، دنیا ہی پر فدا رہتا ہے تو اگر تم اہل دل کے پاس پہنچ جاؤ گے تو تمہارا پتھر دل موتی بن جائے گا۔ جو لوگ اللہ والوں کی صحبتوں میں جا کر موتی بن چکے ہیں، تو یہ ایسے ہی موتی نہیں بنے، انہوں نے اپنے سنگ خارا کو اہل دل کی صحبتوں سے موتی بنالیا ہے۔ اسی لیے یہ دُرویش موتی جیسے لوگ ہیں۔

اور اللہ والوں کو اہل دل کہنے کی وجہ کیا ہے؟ اس پر میرا ایک فارسی شعر ہے۔ ایک مرتبہ میں اپنے مرشد ثانی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کے ساتھ مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے شیخ نے مولانا کو میری کتاب

[۱۶] مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۵۵ (۲۳۰۱)، باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت
[۱۷] الرحمٰن: ۴۶
[۱۸] مرقاۃ المفاتیح: ۵/۱۶۱، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ، باب رحمۃ اللہ، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

"معارف مثنوی" پیش کی۔ اب جو انہوں نے کتاب کھولی تو اس میں میرا ہی شعر نکل آیا جس میں اہل دل کی تعریف کی گئی تھی کہ۔

اہل دل آنکس کہ حق را دل دہد
دل دہد او را کہ دل را می دہد

اہل دل وہ ہیں جو اللہ کو اپنا دل دے دیتے ہیں ورنہ دل کس کے سینے میں نہیں ہے، بکری، کتا، بھینس، بیل سب جانوروں کے سینے میں دل ہے۔ مگر اصل اہل دل کون ہیں؟ جو اللہ کو اپنا دل دے دیں، وہ اسی کو اپنا دل دیتے ہیں جو انہیں سینے میں دل عطا کرتا ہے۔ تو مولانا بنوری شعر پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ واہ وجد آگیا۔ اور پھر خوش ہو کر جو فرمایا اس کو پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے مگر اس نیت سے نقل کیے دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے حسن ظن کی وجہ سے، ان کے نیک گمان کی برکت سے اور ان کے نیک گمان کی لاج رکھتے ہوئے اختر کو ایسا ہی بنا دے۔ حضرت نے فرمایا لَا فَرْقَ بَیْنَکَ وَبَیْنَ مَوْلَانَا رُوْم یعنی اے اختر تیرے اور مولانا روم کے اشعار میں فرق معلوم نہیں ہوتا، دونوں کا کلام ایک جیسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

اللہ کا شکر ہے، اکابر کا حسن ظن اس فقیر کے ساتھ ہے، اگرچہ اختر بالکل کچھ نہیں ہے، میں اپنے لیے لَسْتُ بِشَیْءٍ کہہ سکتا ہوں، لیکن اتنا ہے کہ روئے زمین پر جتنے بھی علمائے صالحین اور مشایخ ہیں ان کا نیک گمان اور ان کی دعائیں میرے شامل حال ہیں۔ میری کتابوں پر ان کی جو تقریظات ہیں، جو تحریریں ہیں اور ان کاغذوں پر ان کے جو نقوش ہیں وہ گویا بزبان حال میرے لیے دعاگو ہیں۔

اہل اللہ کی محبت جنت تک ساتھ دے گی

تو میں عرض کر رہا تھا کہ اہل اللہ کی صحبت سے کیا محسوس ہوتا ہے۔

میسر چوں مرا صحبت بجانِ عاشقاں آید
ہمیں بینم کہ جنت بر زمیں از آسماں آید

یہ میرا ہی شعر ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی صحبت نصیب ہو جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا

ہے جیسے جنت آسمان سے زمین پر آگئی ہے۔ اس مضمون کی شرح میرے شیخ اوّل مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے تھے کہ دیکھو اختر میاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ[۱۹] میرے خاص بندوں میں داخل ہو جاؤ اور جنت میں۔ تو جنت کو بعد میں ذکر فرمایا اور اپنے خاص بندوں کو پہلے ذکر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی معیت اور صحبت جنت سے بھی افضل ہے۔ جو چیز مقدم بیان ہوتی ہے اس کو تفضل حاصل ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی ملاقات کو پہلے بیان فرمایا۔ اور ایک بات اور بھی ہے کہ مکین مکان سے افضل ہوتا ہے، اللہ والے مکین ہیں اور جنت مکان ہے۔ لہٰذا روئے زمین پر جہاں بھی اللہ والے مل جائیں ان کی صحبت کو غنیمت سمجھو۔ چوں کہ یہ جنت کے مکین ہیں اس لیے ان کے پاس بیٹھ کر ان شاء اللہ جنت کا مزہ آئے گا۔ مجھے اپنا ایک اردو شعر یاد آیا ؎

میری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہارا
تیرے عاشقوں میں جینا تیرے عاشقوں میں مرنا

اے اللہ میری زندگی کا حاصل اور میری زندگی کا سہارا یہ ہے کہ آپ کے عاشقوں میں زندہ رہوں اور جب مرنے لگوں تو بھی آپ کے عاشق وہاں بیٹھے ہوں۔

بزرگوں کا ادب ہر حال میں ملحوظِ خاطر رہے

خیر یہ تو متفرقات عرض کر رہا تھا۔ اب ایک ملفوظ سنانا ہے جس کی ہم سب کو بے حد ضرورت ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طالب کو اپنے شیخ کے سامنے اپنی رائے کو بالکل فنا کر دینا چاہیے۔ دو چیزیں سلوک کے لیے لازم ہیں، ایک اتباع سنت، دوسرا اتباع شیخ۔ جب یہ حالت مرید کی نہ ہو کہ اگر شیخ جان بھی مانگے تو بھی دریغ نہ کرے تب تک کچھ لطف بیعت کا نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا؟ دیکھو حضرت لطف کا لفظ استعمال فرما رہے ہیں کہ بیعت کا لطف یہ ہے کہ شیخ سے ایسی محبت ہو۔

حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ الحمد للہ میں نے اپنے بزرگوں کے

۱۹؎ الفجر:۲۹-۳۰

ساتھ کبھی ظاہراً یا باطناً اختلاف نہیں کیا، ہمیشہ ادب کو ملحوظ رکھا۔ حالاں کہ مجھ کو سینکڑوں احتمالات سوجھتے تھے، لیکن میں نے ہمیشہ یہ ہی سوچا کہ ہم کیا جانیں؟ اور اگر کبھی کوئی بات سمجھ میں بھی نہ آئی تب بھی دل کو یہ کہہ کر سمجھالیا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ کوئی بات بھی بلا سمجھے نہ رہے، نہ سمجھنے والی باتوں کی فہرست میں اس کو بھی ڈال دو۔ بھئی بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے، اسی میں اس کو بھی ڈال دو۔ اور فرمایا کہ جو دین کا پابند نہیں ہوتا، اس کی دنیا کی سمجھ بھی خراب ہوجاتی ہے اور جو شخص دیندار ہوتا ہے گو تجربہ دنیا کا نہ ہو لیکن دنیاوی امور میں بھی اس کی عقل سلیم ہوجاتی ہے۔

قربِ قیامت کے لیے فصیح و بلیغ اصطلاح

اب سورۂ حشر کی چند آیات کی تفسیر عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ [۲۰]

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور غور کرو کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور آخرت میں اپنے وطن اصلی کے لیے کیا بھیجا ہے، کتنے اعمالِ صالحہ بھیجے ہیں؟ حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ بیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کے پہلے اِتَّقُوا اللّٰهَ سے مراد ہے اللہ سے ڈرو یعنی اعمال صالحہ اختیار کرو۔ اب آپ بتایئے اگر تفسیر نہ دیکھیں تو کیا کوئی قرآن سمجھ سکتا ہے؟ بس یہ ہی کہہ دے گا کہ اللہ سے ڈرو۔ آگے ہے وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ اپنے نفس کے بارے میں غور کرتے رہو، مَا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ کہ تمہارے نفس نے وطن آخرت کے لیے کیا بھیجا ہے؟ یہاں کل سے مراد قیامت کا دن ہے، اور قیامت کو کل سے اس لیے تعبیر فرمایا ہے کیوں کہ وہ بہت قریب ہے۔ جب قیامت آجائے گی تب ایسا ہی معلوم ہوگا کہ بالکل قریب ہے۔ سو برس کی زندگی بھی مرنے کے بعد ایسی ہی معلوم ہوتی ہے جیسے چند لمحے۔ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن پوچھیں گے قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ کَمۡ لَبِثۡتُمۡ تم دنیا میں کتنے سال ٹھہرے؟ تو سب لوگ کہیں گے

۲۰؎ الحشر:۱۸

لَبِثۡنَا یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ[۲۱] ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔ آپ اپنی پچھلی زندگی سوچ لیں کہ کوئی چالیس سال، کوئی پچاس سال اور کوئی پچپن سال کا ہے لیکن پچھلی زندگی کا سوچو تو معلوم ہوا سب خواب ہے۔

اس آیت میں اِتَّقُوا اللّٰہَ کے تکرار کی وجہ

آگے ہے وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ اور اللہ سے ڈرو، اللہ باخبر ہے تمہارے اعمال سے۔ اس آیت میں دو دفعہ اِتَّقُوا اللّٰہَ آیا ہے۔ پہلے اِتَّقُوا اللّٰہَ سے مراد ہے کہ اعمالِ صالحہ کا اہتمام کرو یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ جتنے اوامر اور فرامین الٰہیہ ہیں ان میں غفلت اور سستی مت کرو، ہر فرمان کو بجالاؤ۔ آگے دوسرا اِتَّقُوا اللّٰہَ ہے، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ اللہ کی تمام نافرمانیاں چھوڑ دو۔

حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الفاظ بھی یہ ہی بتلا رہے ہیں وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ کہ اللہ سے ڈرو، اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں۔ یہ عنوان بتاتا ہے کہ یہاں اِتَّقُوا اللّٰہَ سے مراد ہے کہ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دو۔ جیسے باپ بچے کو ڈانٹ کر کہتا ہے کہ دیکھو میں دیکھ رہا ہوں جو تم کر رہے ہو۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تم اس کو ترک کردو۔ تو آیت کے دوسرے اِتَّقُوا اللّٰہَ سے معاصی کا ترک مراد ہے۔ یہاں دو اِتَّقُوا اللّٰہَ نازل ہوئے ہیں۔ پہلا اِتَّقُوا اللّٰہَ اعمالِ صالحہ کے اختیار کرنے کے لیے ہے اور دوسرا اِتَّقُوا اللّٰہَ گناہوں کو چھوڑنے کے لیے ہے۔

طبائع کے تنوع کے لحاظ سے علاج

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ایک بات اور فرمائی ہے کہ طبیعتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ بعض لوگ اتنے شریف ہوتے ہیں کہ اگر ان کا استاد ان سے کہہ دے کہ دیکھو میں کل تمہارا سبق سنوں گا تو وہ مارے شرم کے جلدی سے سبق یاد کرلیتے ہیں۔ اور بعضے لڑکے ایسے ہوتے ہیں کہ اس وقت تک سبق یاد نہیں کرتے جب تک یہ نہ کہا جائے کہ اگر سبق

---

[۲۱] الکھف:۱۹

یاد نہ کیا تو ڈنڈے لگیں گے۔ تو حضرت نے پہلے شاگرد کا نام رکھا شریف الطبع اور دوسرے شاگرد کو غیر شریف الطبع فرمایا۔

یہ آیت دونوں طبیعتوں کے مطابق نازل ہوئی کہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور غور کرو کہ کل قیامت کے لیے کیا اعمال بھیجے ہیں یعنی قیامت کے دن تمہارے پیشی ہونی ہے، ہم سے آمنا سامنا ہونا ہے، آنکھیں چار کرنی ہیں، ہم سے ملنا ہے۔ تو مارے شرم کے شریف طبیعتوں والے اپنا سب معاملہ ٹھیک کرلیتے ہیں اور گناہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور دوسری آیت جو غیر شریف طبیعتوں والوں کے لیے ہے کہ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اللہ سے ڈرو اللہ باخبر ہیں جو کچھ تم کر رہے ہو۔ تمہاری بدنگاہیاں اور تمہارے جتنے بھی گناہ ہیں سب ہمارے سامنے ہیں، ہم سب سے باخبر ہیں۔ یہ عنوان بتاتا ہے کہ ان کا علاج یہ ہے کہ ان کو ڈنڈے لگیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی دو قسمیں ہوگئیں، طبائع شریفہ اور طبائع غیر شریفہ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج تجویز فرمادیا۔ جن کی طبیعت شریف ہے تو پہلی آیت سے ان کا مزاج ٹھیک ہوجائے گا اور جن کی طبیعت غیر شریف ہے تو وہ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ سے ٹھیک ہوجائیں گے۔

ذکر اللہ کو چھوڑنا اللہ کو بھولنے کے مترادف ہے

آگے فرمایا وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہوجاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلادیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی جانوں سے بھلادیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جو اللہ کا ذکر چھوڑ دیتا ہے، اللہ کو بھول جاتا ہے تو جتنا زیادہ بھولتا چلا جاتا ہے اتنی ہی زیادہ وہ اپنی جان کے نفع و نقصان کے اعمال سے بے خبر ہوجاتا ہے، اس میں گناہ کرنے کی جرأت پیدا ہوجاتی ہے، ایک بے فکری سی پیدا ہوجاتی ہے کہ ارے میاں دیکھا جائے گا، ابھی تو سب گناہ کرو۔

آج تو عیش سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

ارے میاں خدا تو سب جانتا ہے لیکن خدا نے قرآن شریف نازل کرکے تمہیں بھی تو سب کچھ بتادیا ہے۔ اللہ کے سامنے شعروں سے بہانے بازی نہیں چلے گی۔ تم بھی سب کچھ جانتے ہو کہ عاقبت میں کیا ہوگا، سب کچھ قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ تو اپنے معمولات اور ذکر و فکر پورا کرنے کی کوشش کریں، اور اس بات کا خیال رکھیں کہ اللہ کی یاد میں غفلت نہ ہو ورنہ پھر کیا ہوگا؟ اس کی سزا کیا ہوگی؟ فَاَنۡسٰھُمۡ اَنۡفُسَھُمۡ اللہ بھلادیتا ہے ان کو اپنی جانوں سے یعنی آدمی اپنی جان کے نفع و نقصان سے بے خبر ہوجاتا ہے، اس کے دل میں ایک قسم کی قساوت اور سختی آجاتی ہے، پھر بے فکری سے گناہ کرتا ہے۔

میں اپنے سالکین دوستوں کا تجربہ عرض کرتا ہوں کہ جو لوگ اپنے شیخ کے بتائے ہوئے معمولات، تلاوت، ذکر، اشراق، اوّابین و تہجد وغیرہ جب تک کرتے رہتے ہیں تو بہت حد تک گناہوں سے بچے رہتے ہیں اور جب ذکر چھوڑ دیا یا بزرگوں کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا، ذکر بھی چھوڑ دیا اور مُذَکِّرِیۡنَ یعنی اللہ والوں کو بھی چھوڑ دیا، یہ اللہ والے مُذَکِّرِیۡنَ ہیں یعنی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ تو اگر ذکر بھی چھوڑا اور مُذَکِّرِیۡنَ کی صحبت بھی چھوڑی تو پھر کیا ہوتا ہے؟ پھر آنکھیں کھل جاتی ہیں یعنی آنکھوں سے بدنگاہی کرنے لگتا ہے، کانوں سے گانا سننے لگتا ہے، اور نماز میں بھی سستی کرتا ہے یہاں تک کہ بہت خراب حالت ہونے لگتی ہے۔ اس لیے دوستو دونوں کام ضروری ہیں، اہل اللہ کی صحبت بھی لازم رکھو اور ذکر اللہ کا اہتمام بھی رکھو۔ دونوں ضروری ہیں، ورنہ ذکر اللہ کے چھوٹنے سے آدمی اپنی ذات سے بے فکر کردیا جاتا ہے، یہ اس غفلت کی سزا ہے۔ اگر انسان کو اپنے نفع نقصان کی خبر ہی نہ رہے کہ جو چاہے کرلے تو کیا یہ اس کے لیے بہت بڑی سزا نہیں ہے؟ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں أَیۡ کَامِلُوۡنَ فِی الۡفِسۡقِ یعنی یہ نافرمانی میں کامل ہوجاتے ہیں۔

اہلِ جنت کامیاب لوگ ہیں

اگلی آیت ہے لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ھُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ اصحابِ نار اور اصحابِ جنت برابر نہیں ہوسکتے جنت والے لوگ کامیاب ہیں۔ یہاں ایک تفسیری نکتہ عرض کرتا ہوں کہ مفسرین نے ایک اشکال قائم کیا ہے کہ اس آیت میں

جہنم والوں کو پہلے کیوں ذکر کیا؟ پہلے اچھی چیز بیان کرنی چاہیے، اچھے لوگوں کا حال یعنی اصحاب جنت کا حال بیان کرنا چاہیے۔ پھر اس کا جواب دیا کہ آگے اصحاب جنت کی نعمت اور ان کا انعام هُمُ الْفَآئِزُوْنَ آرہا ہے یعنی یہ لوگ کامیاب ہوگئے۔ تو اگر اصحاب جنت کو پہلے بیان کر دیا جاتا اور اصحاب نار کا ذکر بعد میں آتا تو اَلْفَآئِزُوْنَ یعنی کامیابی کا جو انعام مل رہا ہے تو انعام میں اور مُنْعَمْ میں، مُبَشَّرْ میں اور مُبَشَّرْ بِهٖ میں فاصلے ہو جاتے، بیچ میں اصحاب نار آجاتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ کو بعد میں بیان فرمایا ہے تاکہ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ یعنی کامیابی کا انعام ان کے ساتھ ساتھ رہے۔

عظمتِ قرآن سے پہاڑ پھٹنے سے کیا مراد ہے؟

آگے ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ[۲۲] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم اس قرآن کو نازل کرتے کسی پہاڑ پر تو وہ اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ شرط یہ ہے کہ رَكِبَ فِيْهِ الْعَقْلُ اللہ تعالیٰ پہاڑ کو عقل دے دیتے۔ اس حالت میں نہیں کہ آپ جا کر پہاڑ پر قرآن رکھ دیں تو پھٹ جائے گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان القرآن میں فرمایا کہ جملہ مفسرین کو میں نے دیکھا کہ انہوں نے بشرط شے عقل کی ترکیب کو بیان کیا ہے کہ اگر اللہ پہاڑوں میں عقل رکھتا تو یہ اللہ کے کلام کی عظمت سے پھٹ جاتے۔ لیکن حضرت حکیم الامت تھانوی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شرط اور لگا دی، اگر اللہ تعالیٰ پہاڑوں میں عقل رکھتے اور مادّۂ شہوت نہ رکھتے۔ ایک شرط بشرط شے کہلاتی ہے اور دوسری شرط بشرط لاشے کہلاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اے انسانو اگر تمہارے اندر مادّۂ شہوت مغلوب ہو جائے اور عقل میں سلامتی پیدا ہو جائے تو تمہارے قلب میں بھی یہ ہی کیفیت پیدا ہو جائے گی اور قرآن کی نصیحتوں سے تم پر اثر ہونے لگے گا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہاں مادّۂ شہوت کو مغلوب کرنے اور عقل کی سلامتی حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے، پہاڑوں کی فضیلت بیان کرنا نہیں ہے۔

۲۲؎ الحشر:۱۹-۲۱

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أَلْغَرْضُ تَوْبِيْخُ الْاِنْسَانِ عَلٰى قَسْوَةِ قَلْبِهٖ وَقِلَّةِ تَخَشُّعِهٖ عِنْدَ تِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ[۲۳]

اللہ تعالیٰ کی اس آیت سے مراد انسان کی قساوت قلبی یعنی دل کی سختی بیان کرنا ہے اور قرآن کی تلاوت کے وقت خشیت پیدا نہ ہونے کو بیان کرنا ہے، پہاڑوں کی فضیلت بیان کرنا نہیں ہے۔

نارِ شہوت کیسے مغلوب ہوگی؟

اسی لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکتہ بیان فرمادیا کہ انسان میں دو چیزیں ہیں، عقل بھی ہے اور مادّۂ شہوت بھی ہے اور عقل مادّۂ شہوت سے مغلوب ہو جاتی ہے، لہٰذا شہوت کے مادّے کو مغلوب کرو، مگر شہوت کی مغلوبیت کیسے ہوگی؟ اللہ کے ذکر سے ہوگی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نار شہوت چہ کشد نور خدا
نورِ ابراہیم را ساز اوستا

شہوت کی آگ کو کیا چیز بجھائے گی؟ اللہ کا نور۔ اور اللہ کا نور کہاں سے آئے گا؟ ذکر اللہ سے آئے گا۔ مجھے اپنا ایک شعر یاد آیا کہ اللہ کا نور جان میں کیسے داخل ہوتا ہے؟ ؎

نورِ حق از ذکر حق در جاں رسد
از زباں در دل ز دل تا جاں رسد

اللہ کا نور ہماری جان میں اللہ کے ذکر سے آتا ہے، ذکر اللہ کی برکت سے اللہ کا نور ہماری روح میں داخل ہو جاتا ہے۔ زبان سے قلب میں نور اتر آئے گا، پھر قلب کا نور روح میں منتقل ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔ کچھ دن تک تو خالی **ذَاکِرُ اللِّسَان** رہو گے، پھر کچھ دن کے بعد قلب میں نور اتر جائے گا تو اہل دل ہو جاؤ گے۔ اس کے بعد جب جان میں اللہ کا نور داخل ہو جائے گا تو پھر کیا پوچھنا، پھر نہ پوچھو کہ روح کا کیا عالم ہوگا ؎

---

[۲۳] روح المعانی: ۲۸/۶۱، الحشر (۲۱)، دار احیاء التراث، بیروت

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمع محفل کی
پتنگوں کے عوض اُڑنے لگیں چنگاریاں دل کی

جب اللہ دل میں آتا ہے تو دل کا عالم بدل جاتا ہے، پھر اللہ والوں کے سورج اور چاند اور ہوتے ہیں، اللہ والوں کے زمیں و آسماں اور ہوتے ہیں، اللہ والوں کے دن اور رات اور ہوتے ہیں، ہر اللہ والا اپنا عالم الگ بناتا ہے، خدا کا ہر عاشق اپنی کائنات الگ بناتا ہے کیوں کہ وہ خالق کائنات سے وابستہ ہوتا ہے۔ الٰہ آباد میں میرا ایک مصرع ہوا کہ ہر اللہ والا اپنا عالم الگ بناتا ہے۔

اپنا عالم الگ بناتا ہے

تو حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب نے فرمایا کہ اس میں ایک مصرع میرا لگا دو۔

عشق میں جان جو گنواتا ہے

میرا یہ شعر ایک بزرگ کے مصرع کا مرکب ہے۔

عشق میں جان جو گنواتا ہے
اپنا عالم الگ بناتا ہے

گناہوں سے جان چھڑانے کے لیے جان کی بازی لگانا

اللہ کی محبت میں جو جان کی بازی لگا دے، یہ نہیں کہے کہ صاحب نگاہ بچانے میں تکلیف ہوگی۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ ارادہ کرلو کہ اگر نگاہ بچانے میں، بد نگاہی سے بچنے میں ہماری جان بھی نکل گئی تو اے اللہ یہ مبارک جان ہوگی جو خدا کے راستے میں نکل جائے۔ جب یہ ارادہ کرلو پھر سب گناہ چھوڑنا آسان ہو جائیں گے، ان شاء اللہ۔ جان کی بازی لگانے کی نیت کرلو، مگر اللہ تعالیٰ جان نہیں لیں گے، مولانا رومی فرماتے ہیں کہ آدھی جان لیں گے اور اس کے بدلے میں سینکڑوں جان دے دیں گے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
اُنچہ در و ہمت نیاید آں دہد

اللہ تعالیٰ اپنے راستے کے مجاہدے میں صرف آدھی جان لیں گے مگر اس کے بدلے میں سو

جان دنیا ہی میں دے دیں گے، ساڑھے ننانوے جانوں کی تجارت نفع میں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے ایسی قوت حاصل ہوگی، ان شاء اللہ۔

اللہ کے نام کی لذّت حاصلِ نعمائے عالم ہے

ایک بزرگ بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس میں گیا تو مجھ سے کہنے لگے کہ تم حکیم بھی ہو، جب تمہارے پاس کوئی مریض آئے اور اس کو معجون وغیرہ بتایا کرو تو تھوڑا سا اللہ کا ذکر بھی بتادیا کرو کیوں کہ معجون اور بادام کی طاقت تو مخلوق ہے، بادام کے خالق تو اللہ میاں ہیں، یہ جڑی بوٹیاں اللہ نے پیدا کی ہیں، تو خود ان کے نام میں کیا طاقت ہوگی؟ مرغی کا سوپ پینے والو ذرا اللہ کا نام لے کر دیکھو کہ کیا طاقت آتی ہے ؎

یہ مرغی بے مزہ ہوتی نہ رکھتے وہ اگر لذّت

یہ میرا شعر ہے۔ میں نے الٰہ آباد میں کہا تھا کہ جس دن لوگ مری میں کڑھائی والی مرغی کھاتے ہیں تو اس کے تذکرے کرتے ہیں کہ واہ واہ آج تو کڑھائی والا مرغ کھایا ہے۔ لیکن مرغ کے خالق کا نام تو لے کر دیکھو، مرغ میں لذت اللہ ہی نے تو رکھی ہے، اگر خدا مرغ میں لذت نہ رکھتا تو یہ سبزیوں کے بھاؤ بکتا۔ معلوم ہوا کہ سب لذتوں کے خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔ میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ مل جائے تو واللہ ارہر کی دال اور چٹنی روٹی میں بھی بریانی کا مزہ آتا ہے، ورنہ اگر خدا دل کو پریشان کردے تو مرغ کی بریانی منہ میں ہوگی اور دل میں غم کا زہر ہی زہر بھرا ہوگا۔

اشاعتِ دین کے لیے دربدر ہونا

آج سارا عالم شہوت کی آگ میں جل رہا ہے، بری بری خواہشات کی آگ میں جل رہا ہے۔ اس پر مولانا شاہ محمد احمد صاحب کا ایک شعر یاد آیا کہ ؎

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھائیے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

مولانا محمد احمد صاحب اللہ والوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بزرگانِ دین، اللہ والے اور علمائے ربانیین کو چاہیے کہ اپنا وطن اور گھر چھوڑ کر کبھی کبھی باہر بھی جا کر بیان کیا کریں۔

گناہوں کی آگ کو نورِ خدا سے مغلوب کریں

تو یہ عرض کر رہا ہوں کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اُذْکُرُوا اللّٰہَ شاہِ ما دستور داد
اندر آتش دید ما را نور داد

جب اللہ نے ہمیں دیکھا کہ میرے بندے شہوتوں کی آگ میں جل رہے ہیں تو اُذْکُرُوا اللّٰہَ[۲۴] نازل کر دیا کہ گھبرانا مت، اگر شہوتوں کی نارِ نمرود ہے تو میرا نام لے کر اس کو گلزار بنالو، جیسے ابراہیم علیہ السلام کی نارِ نمرود میرے نام کی برکت سے گلزار بن گئی تھی تو دنیا میں جو شہوتوں کی آگ ہے یہ عریانی، یہ ٹیڈیوں کا بے پردہ پھرنا، یہ سینما کی خرافات، تو اس آگ کو اللہ کے ذکر کی برکت سے بجھا دو۔ کبھی جائے نماز پر بیٹھ کر، کبھی مسجد کے گوشے میں ذرا اللہ اللہ کر کے تو دیکھو۔ خواجہ مجذوب صاحب فرماتے ہیں ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ سلطنت کس چیز کا نام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی محبت کا صحیح مزہ عطا کر دیں تو سلاطین کے تخت و تاج آپ کی نگاہوں سے گر جائیں گے۔ اسی لیے مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

اُذْکُرُوا اللّٰہَ شاہِ ما دستور داد
اندر آتش دید ما را نور داد

اللہ نے ہمیں اُذْکُرُوا اللّٰہَ کا دستور عطا فرمایا ہے، قانون نازل کر دیا ہے کہ ہمارا نام لیتے رہو۔ اور یہ رحمت کیوں نازل فرمائی؟ جب اللہ نے ہمیں آگ میں جلتے دیکھا کہ گناہوں کے

[۲۴] الاحزاب:۴۱

تقاضوں میں، شہوتوں کی آگ میں میرے بندے جل رہے ہیں تو ہمیں اُذْکُرُوا اللہَ کا نور عطا فرمادیا۔ اللہ کو یاد کرو، اللہ کا نام لو تو تمہیں اللہ کا نور عطا ہو جائے گا۔

نورِ حق از ذکرِ حق در جاں رسد

از زباں در دل ز دل تا جاں رسد

دوسرے مصرع میں تین قسم کا ذکر آگیا، ایک ہی مصرع میں ذکر لسانی، ذکر قلبی اور ذکر روحی کا ذکر ہے، ذکر کی تینوں قسمیں اس میں آگئیں۔

عالَمِ غیب اور عالَمِ شہادت میں فرق

اگلی آیت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ عالَم غیب اُسے کہتے ہیں جس عالَم تک مخلوق کی رسائی نہ ہوسکے اور عالَم شہادت اُس عالَم کو کہتے ہیں جہاں تک مخلوق جاکر اس کا علم حاصل کرلے۔ جیسے ہم نے امریکا نہیں دیکھا لیکن ہم اس کو عالَم غیب نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ہم جہاز سے جاسکتے ہیں، ہم نہ جائیں تو کوئی دوسرا جاسکتا ہے۔ تو علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس عالَم تک مخلوق کی رسائی ہوسکتی ہے اس عالَم کو عالَم غیب نہیں کہتے، وہ عالَم شہادت ہے۔ اسی لیے دنیا کو عالَم شہادت کہتے ہیں اور آخرت عالَم غیب ہے۔

چند اسمائے حسنہ کی شرح

آگے ہے هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ- رَحْمٰن اور رَحِیْم میں کیا فرق ہے؟ اب اس کا فرق بھی سن لیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ رَحْمٰن کا فیض عام ہے، کافر پر بھی اس کے فیضان ہیں، رَحْمٰن کا فیضان کافر پر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافر کو بھی روٹی دیتا ہے اور کیڑوں کو بھی رزق دیتا ہے، چھوٹے حشرات جو پتھروں میں چھپے ہوئے ہیں ان کو بھی اللہ ہی رزق دیتا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہورہی تھی، بوقت نزول وحی اچانک ان کے قلب میں بال بچوں کا خیال آگیا کہ پتا نہیں ان کو روٹی ملی یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فوراً فرمایا کہ اے موسیٰ! اس چٹان پر لاٹھی مارو۔ انہوں نے لاٹھی ماری تو ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا، دوسری دفعہ لاٹھی ماری تو ایک ٹکڑا اور ٹوٹ

گیا اور جب تیسری دفعہ لاٹھی ماری تو اس چٹان کی تینوں پرتیں ہٹ گئیں اور حضرت موسیٰ نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا کیڑا ہے، اس کے منہ میں تازہ ہرا پتّا ہے اور وہ کہہ رہا ہے سُبۡحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ وَیَعۡرِفُ مَکَانِیۡ وَیَسۡمَعُ کَلَامِیۡ وَیَذۡکُرُنِیۡ وَلَا یَنۡسَانِیۡ[۲۵] پاک ہے وہ ذات جو مجھے دیکھ رہا ہے، جہاں میں رہتا ہوں وہ مکان جانتا ہے، میری بات سنتا ہے، مجھے رزق پہنچاتا ہے اور مجھے بھولتا نہیں، فراموش نہیں کرتا۔

اور رَحِیۡم مؤمنین اور ایمان والوں کے لیے خاص ہے۔ قرآن پاک میں ہے حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اللہ نے رَحِیۡمٌ کو مؤمنین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ رَحِیۡمٌ کی صفت کے تحت جتنی نعمتیں ہیں وہ ایمان والوں کے لیے خاص ہیں۔ جبکہ رَحۡمٰنُ کی رحمتیں مؤمنین پر بھی ہیں اور کفار پر بھی بلکہ جانوروں پر بھی عام ہیں۔

یہاں ایک بات عرض کردوں کہ آیت حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ[۲۶] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازل ہوئی۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی عجیب تفسیر فرمائی ہے حَرِیۡصٌ عَلٰۤی اِیۡمَانِکُمۡ وَصَلَاحِ شَأۡنِکُمۡ[۲۷] یعنی رسول اللہ تمہارے ایمان کے حریص ہیں اور تمہاری اصلاح کے حریص ہیں کہ تمہاری حالتیں صحیح ہوجائیں اور تم اللہ والے بن جاؤ۔

آگے فرمایا اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ۔ مَلِك کہتے ہیں اس سلطان کو جس کے معزول ہونے کا تصور بھی نہ کیا جاسکے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف مَلِك کی نسبت کی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے اَلَّذِیۡ یُوَلِّیۡ وَیَعۡزِلُ وَلَا یُتَصَوَّرُ عَلَیۡهِ تَوۡلِیَةٌ وَّلَا عَزۡلٌ یعنی کوئی اس پر متولی نہ ہوسکے اور نہ اس کو معزول کرنے کی طاقت رکھتا ہو، طاقت رکھنا تو بڑی چیز اس کا تصور بھی محال ہو، یہ نہیں کہ الیکشن ہوا اور سب معاملہ گڑبڑ ہوگیا۔

۲۵؎ روح المعانی: ۱۲/۲، ھود(۶)، دار احیاء التراث، بیروت
۲۶؎ التوبۃ: ۱۲۸
۲۷؎ روح المعانی: ۱۱/۵۲، التوبۃ(۱۲۸)، دار احیاء التراث، بیروت

اَلْقُدُّوْسُ کا مطلب ہے اَلطَّاھِرُ عَنْ کُلِّ عَیْبٍ اَلْمُنَزَّہُ عَمَّا لَا یَلِیْقُ بِہٖ کہ وہ ذات جو ہر اس عیب سے پاک ہو جو اس کے شایانِ شان ہے ہی نہیں۔ اَلسَّلٰمُ کا مطلب ہے اَلَّذِیْ سَلِمَ مِنَ النَّقَایِصِ وَ کُلِّ اٰفَۃٍ تَلْحَقُ الْخَلْقَ وہ ذات جو ہر قسم کے نقص سے پاک ہو اور اس پر کوئی ایسی آفت نہ آسکے جو مخلوقات پر آتی ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلْقُدُّوْسُ کے معنیٰ ہیں کہ وہ پاک ذات جس کا ماضی بے عیب رہا ہو اور اَلسَّلٰمُ کہتے ہیں وہ پاک ذات جس کو آیندہ بھی کبھی عیب نہ لگ سکے۔[۲۸] حضرت فرماتے ہیں اَخَذْتُ مِنَ الْخَازِنِ یہ تفسیر میں نے تفسیر خازن سے لی ہے۔

جب میں نے علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی دیکھی تو ایک بات اور ملی، علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اَلسَّلٰمُ کی ایک تعریف اور ہے اَلَّذِیْ یُسَلِّمُ عَلٰی اَوْلِیَاءِہٖ فَیُسَلِّمُوْنَ مِنْ کُلِّ مُخَوِّفٍ: اَلسَّلٰمُ وہ ہے جو خود بھی سالم رہے اور اپنے دوستوں کو بھی سلامت رکھے، جو اپنے اولیاء کو بھی ہر آفت سے اور ہر خوف سے سلامت رکھتا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ کا مطلب ہے امن دینے والا۔ اَلْمُھَیْمِنُ نگہبانی، پاسبانی اور حفاظت کرنے والا۔ اَلْعَزِیْزُ زبردست طاقت والا۔ اَلْجَبَّارُ کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ دے، جب دنیا اور سارے سائنس دان کہہ دیں کہ یہ ہڈی نہیں جُڑ سکتی تو اللہ تعالیٰ کی شان قدرت ہے کہ اس کو جوڑ دے، مطلب یہ کہ اَلَّذِیْ جَبَرَ اَحْوَالَ خَلْقِہٖ اَیْ اَصْلَحَھَا جو اپنی قدرتِ کاملہ سے مخلوق کی ہر بگڑی کو بنادے، ہر بگڑی کو درست کردے، ہماری تخریبات، ہمارے جتنے بگڑے ہوئے حالات ہیں سب کو درست کرنے پر خدائے تعالیٰ قادر ہیں۔ میں اس کو اس طرح سے عرض کرتا ہوں کہ ہماری انتہائی بربادیاں، ہماری انتہائی تخریب کے لیے اللہ کا نقطۂ آغازِ تعمیر اصلاح کے لیے کافی ہے۔

اَلْمُتَکَبِّرُ کے کیا معنیٰ ہیں؟ یہ باب تَفَعُّلْ سے ہے جس کے معنیٰ عربی گرامر کے

۲۸؎ تفسیر خازن:۴/۲۷۷،الحشر(۲۳)،دارالکتب العلمیۃ، بیروت،ذکرہ بلفظ اشارۃ الی براءۃ عن جمیع العیوب والنقائص فی الماضی والحاضر والسلام اشارۃ الی انہ لایطرأ علیہ شیء من العیوب والنقائص فی المستقبل

لحاظ سے بتکلف بڑا بننے والا کے ہیں۔ حاشا و کلّا ہرگز یہاں یہ معنیٰ نہیں ہیں بلکہ مفسرین لکھتے ہیں کہ اَلْمُتَکَبِّرُ کے معنیٰ ہیں صاحبِ عظمت، یہاں باب تَفَعُّلْ کی صفتِ تَکَلُّفْ نافذ نہیں ہوگی بلکہ دوسری صفت نِسْبَتْ اِلٰی مَأْخَذْ نافذ ہوگی یعنی کبریائی والا، صاحبِ عظمت۔

اللہ تعالیٰ آگے ارشاد فرماتے ہیں ھُوَ اللہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ۔ اَلْخَالِقُ کہتے ہیں مطلق پیدا کرنے والے کو۔ اَلْبَارِئُ کہتے ہیں تناسب اعضاء سے پیدا کرنے والا۔ اگر ایک کان چھوٹا ہوتا اور ایک کان ہاتھی کے برابر ہوتا، پھر ہم لوگ کیسے لگتے؟ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اَلْخَالِقُ کے معنیٰ ہیں پیدا کرنے والا، عدم سے وجود میں لانے والا۔ اور اَلْبَارِئُ کے معنیٰ ہیں ہر اعضاء کو تناسب سے پیدا کرنے والا۔ یہ نہیں کہ ایک ہاتھ دو فٹ کا ہے اور ایک ہاتھ پانچ فٹ کا، ایک پیر تین فٹ کا اور دوسرا پیر دس فٹ کا، اگر ایسا ہوتا تو ہم لنگڑا لنگڑا کر چلتے، ایک آنکھ چھوٹی سی ہوتی اور ایک آنکھ اتنی بڑی تو کیسی لگتی؟ تو اَلْبَارِئُ کے معنیٰ مخلوق کو غیر متناسب ہونے کے نقص سے پاک کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ نے آگے اَلْمُصَوِّرُ نازل فرمایا، کیوں کہ اگر اللہ پیدا بھی کر دیتے، تناسب اعضاء بھی دے دیتے لیکن صفت مصوری کا ظہور نہ فرماتے تو ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ اَلْمُصَوِّرُ کے معنیٰ ممیز کے ہیں، اَلْمُمَیِّزُ بَعْضَھَا عَنْ بَعْضٍ بِالْاَشْکَالِ الْمُخْتَلِفَةِ[۲۹] یعنی اللہ تعالیٰ نے جس وقت صورتیں بنائی ان کو مختلف شکلیں دے کر ان میں تمیز پیدا کر دی، اور ان میں فرق رکھ دیا، بعض کی شکل کو بعض سے جدا کر دیا۔ یہاں کتنے آدمی بیٹھے ہیں لیکن دیکھیے کہ ہر آدمی کی شکل میں فرق ہے یا نہیں؟ اور یہ تو تھوڑا سا مجمع ہے، تبلیغی جماعت کے پچیس لاکھ کے اجتماع میں چلے جائیے، وہاں دیکھیے کہ ہر ایک کی شکل دوسرے سے مختلف ہے۔ اگر سب ایک ہی شکل کے ہوتے تو عورتوں کو پریشانی ہوتی کہ میرا شوہر کون ہے، باپ ہر ایک کو اپنا بیٹا سمجھ لیتا، بیٹا ہر ایک کو ابا سمجھ لیتا، غرض کیسی پریشانی ہوتی۔ ارے شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کی کیسی ترتیب نازل کی۔ قربان جاؤں، قرآن کے اسلوبِ بیان کو دیکھیے کہ پہلے اَلْخَالِقُ نازل فرمایا پھر اَلْبَارِئُ یعنی تناسب اعضا کی صفت نازل کی کہ میں سارے اعضاء تناسب سے پیدا

[۲۹] روح المعانی: ۲۸/۶۲، الحشر (۲۳)، داراحیاء التراث، بیروت

کرتا ہوں، اس کے فوراً بعد **اَلْمُصَوِّرُ** نازل کیا کہ ہم اس کو تمیز بھی دیتے ہیں ورنہ سب خلط ملط ہو جاتے۔ جیسے ایک فیکٹری کے بنے ہوئے چاقو آپس میں خلط ملط ہو جاتے ہیں، اگر ان کے مالک اپنے اپنے چاقو آپس میں بدل دیں تو فیکٹری کا مالک بھی نہیں پہچان سکتا کہ کس چاقو کا کون مالک ہے کیوں کہ سب چاقو ایک ہی جیسے ہیں۔ لیکن کوئی کسی کا ابا نہیں بدل سکتا، کسی کا بیٹا نہیں بدل سکتا، کسی کی بیوی نہیں بدل سکتا، کیوں کہ اللہ نے ہر ایک کو الگ شکل وصورت عطا فرمائی ہے۔

سورۂ حشر کی آخری آیات کی فضیلت

اب دو مضمون بیان کرکے آج کے وعظ کو ختم کرتا ہوں۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ترمذی شریف کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جو شخص سورہ حشر کی یہ آخری آیات پڑھ لے تو غروب آفتاب تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کریں گے۔ مگر اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تین مرتبہ **اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ** پڑھ کر پھر سورۂ حشر کی یہ آخری تین آیات تلاوت کرے۔ جس کی تشریح آپ حضرات نے سنی۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ[۳۰]

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ترمذی شریف کی روایت بیان کرتے ہیں کہ غروب آفتاب تک ستر ہزار فرشتے اللہ مقرر کرے گا جو اس کے لیے دعائے مغفرت کریں گے۔ اور اگر اس دن میں مر گیا **وَاِنْ مَّاتَ فِیْ ذٰلِكَ الْیَوْمِ مَاتَ شَهِیْدًا** اگر اس دن میں اس کا انتقال ہو گیا، اگر اس دن اس کو موت آگئی تو شہید مرے گا۔ اسی طرح اگر مغرب بعد پڑھ لیا تو رات بھر ستّر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کریں گے **وَمَنْ قَالَ حِیْنَ یُمْسِیْ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ**[۳۱] اگر اس کو

۳۰؎ الحشر: ۲۴-۲۲

۳۱؎ جامع الترمذی: ۱۲۰/۲، ابواب فضائل القرآن، ایچ ایم سعید

شام کے بعد پڑھا اور اسی رات مر گیا تو اسے بھی وہی رتبہ ملے گا یعنی وہ بھی شہید مرے گا۔

دعائے طلبِ شہادت کا انعام

مسلم شریف کی حدیث ہے مَنْ سَاَلَ اللہَ الشَّھَادَۃَ بِصِدْقٍ بَلَّغَہُ اللہُ مَنَازِلَ الشُّھَدَاءِ وَاِنْ مَّاتَ عَلٰی فِرَاشِہٖ[۳۲] جو اللہ سے شہادت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کے درجے میں پہنچائیں گے چاہے وہ اپنے بستر پر مرے۔ دوستو، اللہ سے سوال تو کرو، مانگو تو صحیح، اللہ سے مانگنا تو سیکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ[۳۳] اے اللہ اپنے راستے میں مجھے شہادت عطا فرمائیے اور اپنے نبی کے شہر میں میری قبر بنائیے۔ میرے شیخ اوّل مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس دعا کو ہمیشہ مانگا کرتے تھے۔ اس دعا کو مانگنے والے اگرچہ بستر پر مریں ان شاء اللہ قیامت کے دن شہداء کے درجے میں اٹھائے جائیں گے۔ کبھی کبھی ہم لوگ بھی مانگ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی شہادت نصیب فرمائیں۔

بیماریوں سے شفاء کا نسخہ

اب ایک عمل اور بتاتا ہوں جو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود اسلام لانے والوں میں چھٹے نمبر پر تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے تھے لَقَدْ اَخَذْتُ مِنْ فِیِّ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِضْعًا وَّسَبْعِیْنَ سُوْرَۃً[۳۴] انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر اور کچھ سورتیں براہِ راست یاد کی تھیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں اَفْضَلُ الصَّحَابَۃِ بَعْدَ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ عَبْدُ اللہِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ[۳۵] چاروں خلفائے راشدین کے بعد حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔

۳۲؎ صحیح مسلم:۲/۱۴۰، باب استحباب طلب الشھادۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ، ایچ ایم سعید
۳۳؎ صحیح البخاری:۱/۲۵۳(۱۸۹۰) باب کراھیۃ النبی ان تعری المدینۃ، المکتبۃ المظھریۃ
۳۴؎ صحیح البخاری:۲/۷۴۸(۵۰۱۳) باب القراء من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، المکتبۃ المظھریۃ
۳۵؎ مرقاۃ المفاتیح:۱/۲۸۶، باب الکبائر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایک شاگرد نے جب ان سے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ پڑھا تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ضَعْ يَدَكَ عَلٰى رَأْسِكَ اے میرے شاگرد اپنے سر پر ہاتھ رکھ لو۔ شاگرد نے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے؟ تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ پڑھا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ہی فرمایا تھا کہ اے عبد اللہ ابن مسعود اپنے ہاتھ کو سر پر رکھ لو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے تو انہوں نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک کو اپنے سر مبارک پر رکھ لیجیے فَاِنَّهَا شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّامَ وَالسَّامُ الْمَوْتُ اس آیت میں تمام بیماریوں کی شفاء ہے مگر موت کا علاج نہیں ہے۔ اِلَّا کے بعد مستثنیٰ کو منصوب پڑھ رہا ہوں کیوں کہ کلام مثبت کا مستثنیٰ ہمیشہ منصوب ہوا کرتا ہے۔ تو لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ سے لے کر سورہ حشر کے آخر تک، اللہ نے ان آیات میں ایسی برکت اور خاصیت رکھی ہے کہ جملہ بیماریوں کی شفا ہے سوائے موت کے۔ اور فرمایا هِيَ رُقْيَةُ الصُّدَاعِ [۳۶] یہ دردِ سر کا بہترین وظیفہ ہے۔ کسی کے سر میں درد ہو تو سر پر ہاتھ رکھو اور ان آیات کو پڑھ لو۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی کے اندر یہ اعمال بیان کیے ہیں۔

تو آپ کو دو عمل مل گئے، ایک تو هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ والا عمل جس سے ستّر ہزار فرشتوں کی دعا بھی مل جائے گی اور اگر اسی دن انتقال ہوا تو شہید مریں گے۔ اور دوسرا عمل کہ جس کو سر درد وغیرہ ہو تو سر پر ہاتھ رکھ کر لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ سے لے کر سورۂ حشر کے آخر تک تلاوت کریں۔ ہم تو یہ مشورہ عرض کرتے ہیں کہ سر پر ہاتھ رکھ کر اس نیت سے پڑھیں کہ میری جملہ جسمانی اور روحانی بیماریوں کو اللہ شفاء دے دے۔

بس دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ اے اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ہم بھی آپ سے شہادت کا سوال کرتے ہیں، اے اللہ ہم سب کو شہادت کا رزق عطا فرما اور اپنی

---

۳۶ روح المعانی: ۲۸/۶۵، الحشر (۲۴)، دار احیاء التراث، بیروت

رحمت سے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں ہم سب کی قبر بنادیجیے۔ اللہ ہم سب کی اصلاح کی تکمیل فرما، ہم سب کو تقویٰ والی حیات نصیب فرما۔

یا اللہ! جو لوگ اپنی نادانی سے دینی خدام کی، دینی اداروں کی، تزکیۂ نفس کے شعبے کی، تبلیغ کے شعبے کی، مدارس کے شعبے کی، درس و تدریس کے شعبے کی مخالفت کرتے ہیں اپنی رحمت سے ان کی نادانیاں دور فرمادیں، تزکیۂ نفس، تبلیغ اور درس و تدریس ان تینوں شعبوں کی اہمیت ہمارے قلوب کو نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! اپنی رحمت سے اور ہمارے بزرگوں کی برکت سے اس خانقاہ کو مقبول اور محبوب فرما اور اس خانقاہ سے بڑے بڑے اولیائے صدیقین پیدا فرما۔ اگرچہ ہم نااہل ہیں، آپ کریم ہیں اور کریم کی تعریف ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے **اَلَّذِیْ یُعْطِیْ بِغَیْرِ اسْتِحْقَاقٍ وَّ بِدُوْنِ الْمِنَّۃِ**[۳۷] جو بلا استحقاق عطا کرتا ہے، اے اللہ اپنے کرم سے ہم سب کو اپنے خاص کرم سے نوازش فرمائیے۔ اپنے اولیائے صدیقین کے ایمان، خشیت، یقین، تقویٰ، زہد و توکل اور وہ ساری نعمتیں جو ان کے باطن کو آپ عطا فرماتے ہیں ہم سب کو نصیب فرمائیے۔ اے اللہ ظاہری طور پر بھی ہمیں اتنی دنیا عطا فرمائیے کہ ہم جملہ خدام دین اور جتنے احباب ہیں اور ہماری اولاد کسی مخلوق کے محتاج نہ ہوں۔ ہم میں سے جو مقروض ہیں ان کے قرضوں کو ادا فرمائیے، ظاہری غناء اور باطنی غناء دونوں دولتوں سے ہم سب کو مالا مال فرمائیے اور اپنا شکر گزار بنایے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

❁ ❁ ❁ ❁

۳۷؎ مرقاۃ المفاتیح: ۳/۲۱۲، باب التطوع، المکتبۃ الامدادیۃ، ملتان

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انسان کو جگہ جگہ تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے بے شمار انعامات بیان فرمائے ہیں جن میں سب سے بڑا انعام میدانِ محشر کی کامیابی اور جنت میں داخلہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے حصول کا نسخہ بھی بتادیا ہے کہ اہل تقویٰ یعنی اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنے سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہرگز ایسے لوگوں کی طرح مت ہوجاؤ جنہوں نے اللہ کو بھلادیا۔ ایک آیت میں اللہ کو یاد رکھنے یعنی ذکر اللہ کا حکم بھی دیا گیا ہے جو تقویٰ پر استقامت کا خداداد نسخہ ہے۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وعظ ''ذکرِ خدا اور حصولِ تقویٰ'' میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تقویٰ حاصل کرنے کے لیے خدا کا ذکر کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جو اللہ کا ذکر چھوڑ دیتا ہے اور اللہ کو بھلا دیتا ہے، اس میں گناہ کرنے کی جرأت پیدا ہوجاتی ہے، اس کے دل میں قساوت اور سختی آجاتی ہے، پھر وہ غفلت کے اس عالم میں ہر گناہ کرلیتا ہے۔

AW153